باب دوم

فکرِ آخرت، قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان، رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آخرت پر ایمان، یہ ایمانیات کے تین بنیادی اجزاء ہیں۔ رب کریم نے متقی مسلمانوں کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

﴿01﴾

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ. وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَo

''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن ہے جس میں) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔ وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں، اور نماز قائم رکھیں، اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں (یعنی خرچ کریں)۔

اور وہ کہ ایمان لائیں اُس پر جو (اے محبوب!) تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا، اور آخرت پر یقین رکھیں''۔ (البقرۃ:۲ تا ۴، کنز الایمان)

﴿02﴾

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ o الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَ اَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o

''اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر اُن پر (بھاری نہیں) جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں اور جنہیں یقین ہے کہ اُنہیں اپنے رب سے ملنا ہے، اور اُسی کی طرف پھرنا''۔ (البقرۃ:۴۵، ۴۶، کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ جس شخص کا آخرت پر اور آخرت میں رب تعالیٰ سے ملنے پر پختہ ایمان ہے، اُس کے لیے نمازوں کی پابندی کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ہمارے لیے اپنے ایمان کا جائزہ لینا آسان ہے۔ یہ حدیث بھی ذہن نشین رہے کہ ''منافقوں پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں''۔ (بخاری)

﴿03﴾

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌo

''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو، اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے یہاں پاؤ گے، بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے''۔ (البقرۃ:۱۱۰)

مومن کا ایمان ہے کہ وہ دنیا میں جو نیکیاں بھی کرے گا، ان کا اجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پائے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے تمام کام دیکھ رہا ہے۔

سورۃ الحدید میں رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا،

﴿وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ (آیت ۴)

''وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں ہو، اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے''۔

اگر یہ احساس مومن کے ذہن میں راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے، تو اس طرح ہمارے بہت سارے کاموں کی اصلاح ہو جائے گی۔

﴿04﴾

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَo

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے، جانچنے کو۔ اور تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔ (الانبیاء:۳۵)

﴿05﴾

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِo

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تمہارے (اعمال کے) بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے۔ جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو

پہنچا، اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے‘‘۔(ال عمران:۱۸۵)
ان آیاتِ مبارکہ سے درج ذیل باتیں واضح ہوئیں۔
اول: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔
دوم: انسان کو دنیا میں بھلائی اور برائی کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔
سوم: ہم سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے۔
چہارم: انسان کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا قیامت کو ملے گی۔
پنجم: جہنم سے بچنا اور جنت میں جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔
ششم: دنیا کی زندگی سراسر دھوکے کا مال ہے۔
جس طرح کوئی دھوکا دینے والا کسی نقلی چیز پر عمدہ پالش کر کے اسے چمکاتا ہے اور اسے اصلی کہہ کر بازار میں بیچتا ہے۔ پھر اس نقلی چیز کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر اگر کوئی خریدار اسے خرید لے تو بعد میں اصل حقیقت معلوم ہونے پر بہت پچھتاتا ہے۔
اسی طرح شیطان دنیا کو خوشنما کر کے پیش کرتا ہے۔ اب جو کوئی دنیا کی فانی زندگی کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا کھا کر آخرت کی دائمی زندگی کو فراموش کر دے گا، وہ آگ سے بچ کر جنت میں نہیں جا سکے گا۔ لہٰذا کامیابی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انسان موت اور آخرت کی فکر سے ہرگز غافل نہ رہے۔

06

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ o
قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ o
’’لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، (یعنی) عورتیں اور بیٹے، اور اوپر تلے سونے چاندی کے ڈھیر، اور نشان کیے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔
تم فرماؤ! کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں، پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیویاں، اور اللہ کی خوشنودی، اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے‘‘۔(ال عمران:۱۴، ۱۵)
اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کے دل میں بیوی، اولاد، مال، سواریاں، مویشی اور کھیتی باڑی، ان سب چیزوں کی محبت پیدا فرمائی ہے۔ اگر یہ محبتیں نہ ہوتیں تو شادی کی ذمہ داری، اولاد کی پرورش، نسلِ انسانی کی بقا، غریبوں کی مدد، صبر و شکر، ایثار و سخاوت کیونکر ممکن تھے۔ غرض یہ کہ یہ سارے مراحل اور آزمائشیں رکھی گئیں تا کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں باحیا بیوی، نیک اولاد، پاکیزہ مال اور حلال رزق میسر ہو اور لوگ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھیں۔
پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ اِن کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کو نہ بھول جانا، جہاں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کے لیے ان نعمتوں سے کئی گُنا بہتر نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

07

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ o
’’انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور عیش کریں، اور امید انہیں کھیل میں ڈالے رکھے تو جلد (اپنا انجام) جاننا چاہتے ہیں‘‘۔(الحجر:۳)
دنیا کی زندگی جلد ختم ہونے والی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔ اس لیے یہاں کی رنگینیوں میں دل لگانا آخرت سے غفلت کا سبب ہے۔ نصیحت قبول نہ کرنے والے دنیا پرستوں کے لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو تا کہ یہ کھانے پینے اور عیش و عشرت میں مگن رہیں، کیونکہ ان کے نزدیک زندگی انہی چیزوں کا نام ہے۔ لمبی اُمیدوں نے انہیں غافل کیا ہوا ہے، جلد ہی جب موت آئے گی، انہیں اس غفلت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، بدبختی کی چار نشانیاں ہیں۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ آنا، دل کا سخت ہونا، لمبی امیدیں اور دنیا کی حرص۔(تفسیر قرطبی)

آنسوؤں کا جاری نہ ہونا دل کی سختی کی وجہ سے ہے، دل کی سختی گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے، گناہوں کی کثرت موت کو بھلانے کی وجہ سے ہے، موت کو بھلانا لمبی امیدوں کی وجہ سے ہے اور لمبی امیدیں دنیا کی محبت کی وجہ سے ہیں۔

﴿08﴾

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَo

''اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود، اور بیشک پچھلا گھر (یعنی آخرت) بھلا ہے اُن کے لیے جوڈرتے ہیں۔ تو کیا تمہیں سمجھ نہیں''۔ (الانعام:۳۲)

''لعب'' اُس چیز کو کہتے ہیں جو دنیا کی طرف راغب کرے اور ''لھو'' سے مراد وہ چیز ہے جو آخرت سے غافل کردے۔ اسے عموماً کھیل کود سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو کھیل کود سے تشبیہ دی ہے اور آخرت کی فکر کرنے والوں کو عاقل اور سمجھ دار فرمایا ہے۔

﴿09﴾

وَمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ م لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَo

''اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود، اور بیشک آخرت کا گھر! ضرور وہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا تھا اگر جانتے''۔ (العنکبوت:۶۴)

دنیا کی زندگی کو کھیل کود سے اس لیے تشبیہ دی گئی کیونکہ کھیل کود عارضی چیز ہے۔ جیسے بچے کچھ دیر کھیلتے ہیں پھر سب کچھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اسی طرح دنیاوی زندگی بہت مختصر اور ناپائیدار ہے۔ موت انسان کو دنیا سے ایسے ہی جدا کر دیتی ہے جیسے بچے کھیل چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل کود بچوں کا کام ہے یا کم عقل لوگوں کا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے، وہ دنیا کی رنگینیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے بلکہ دائمی زندگی یعنی آخرت کی فکر کرتے ہیں۔

﴿10﴾

اِعۡلَمُوۡٓا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ م بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطَامًا وَفِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِo

''جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود، اور آرائش، اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

اُس بارش کی طرح جس کا اُگایا سبزہ کسانوں کو بھایا، پھر سوکھا تو تم دیکھو کہ اس کا رنگ زرد ہوگیا پھر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور آخرت میں (دنیا پرستوں کے لیے) سخت عذاب ہے اور (پرہیزگاروں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا، اور دنیا کی زندگی تو نہیں مگر دھوکے کا مال''۔ (الحدید:۲۰)

دنیاداروں کے نزدیک دنیا کی زندگی کے اہم اجزاء میں کھیل کود ہے جو بچوں کا کام ہے، زینت و آرائش ہے جو کہ عورتوں کی عادت ہے، بڑائی مارنا اور کثرت چاہنا ہے جو کہ احمق اور غافل لوگوں کا کام ہے۔ جب دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں تو پھر ان پر غرور کرنے کا کیا فائدہ۔ اللہ کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو ہمیشہ کی زندگی کی فکر کرے اور زیادہ پرہیزگار ہو۔

دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے دی گئی جس کے سبب فصل اُگتی ہے پھر وہ سوکھ جاتی ہے اور آخرکار ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بچپن سے جوان ہونے تک وہ سب کو اچھا لگتا ہے۔ جب بڑھاپا شروع ہوتا ہے تو اس کی رنگت بدلنے لگتی ہے، چہرے کی دلکشی کی جگہ جھریاں پڑنے لگتی ہیں، اور جسمانی قوتیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں یہاں تک کہ وہ اس فانی دنیا سے چلا جاتا ہے۔

جو دنیا کی محبت میں آخرت کو بھول جاتے ہیں وہ عذاب میں ہونگے اور جو دنیا کی نعمتوں سے اپنی آخرت سنوار لیتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور رضا ہوگی۔ ہر شخص اس حقیقت کو سمجھ لے کہ دنیا کی زندگی تو آزمائش اور دھوکا ہے۔

﴿11﴾

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَتَضَرَّعُوۡنَo فَلَوۡلَآ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَلٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَo

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَآ اُوۡتُوۡٓا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ o فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَo

''اور بیشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں۔

تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ گڑگڑاتے، لیکن ان کے دل تو سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے۔

پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں، تو ہم نے ہر چیز کے دروازے ان پر کھول دیے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا، تو

ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا، اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی‘‘۔

(الانعام:۴۲-۴۵)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور تکلیف کا آنا بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان لوگوں کو فریب دیتا ہے تو وہ اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ توبہ کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ گناہوں کے باوجود کسی قوم کو نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے۔حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کسی پر اللہ تعالیٰ دنیا وسیع کر دے اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس کا عمل ناقص اور اس کی فکر بیکار ہوگی۔اور جس کسی سے اللہ تعالیٰ نے دنیا روک لی ہو اور وہ اس تنگی میں خیر کا گمان نہ کرے تو اس کا عمل بھی ناقص اور اس کی فکر بیکار ہوگی۔(قرطبی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

’’جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کے باوجود اس کی پسندیدہ چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے۔پھر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔(مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہاں ’’استدراج‘‘ سے مراد اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے۔مفہوم یہ ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈٹے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مزید نعمتیں عطا کرے اور انہیں مزید ڈھیل دیتا رہے تا کہ وہ مغرور ہو کر توبہ نہ کریں اور پھر اچانک اس کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

﴿12﴾

وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَo

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَo

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَo

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَاللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَاللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَo

’’اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔......مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کیے پر گرفتار کیا۔......کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سو رہے ہوں۔......یا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیل رہے ہوں۔......کیا اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر نہیں ہوتے مگر تباہی والے‘‘۔

(الاعراف:۹۶-۹۹)

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، اپنے نبیوں کو جھٹلانے کی وجہ سے قوموں کو فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ پہلے انہیں بیماریوں، قحط اور دیگر مصائب میں مبتلا فرماتا ہے تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔یہ ان کا پہلا امتحان ہوتا ہے جس میں وہ ناکام رہتے ہیں۔

پھر انہیں صحت و عافیت اور خوشحالی عطا کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔مگر وہ لوگ مصائب اور خوشحالی سے عبرت نہیں پکڑتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تنگی و آسانی اللہ کی قدرت سے نہیں بلکہ گردشِ زمانہ کے سبب ہے تو رب تعالیٰ ان پر اچانک عذاب نازل فرماتا ہے۔

مسلمان، کافر کی طرح نہیں ہوتا۔وہ جانتا ہے کہ مصیبت اور تکلیف اس کے گناہوں کے سبب آتی ہے یا اس کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور صبر کے باعث اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں اور مصائب پر صبر کریں۔

پہلی آیت میں برکت کا ذکر ہے، اس کے لفظی معنی ’’زیادتی‘‘ کے ہیں۔زمین و آسمان کی برکتوں سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی بھلائی ہر وقت انہیں زیادہ نفع دے۔

برکت یا تو کسی چیز کے بڑھ جانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جیسے حضور ﷺ کے معجزات میں قلیل طعام یا پانی کا زیادہ لوگوں کو کافی ہو جانا۔یا کسی چیز سے زیادہ نفع ہو جیسے کسی چیز کا طویل عرصہ تک نفع دینا یا کسی غذا کا جسمانی صحت وقوت کا سبب بن جانا، یا تھوڑی محنت سے زیادہ اجر پانا۔

وقت میں برکت یہ ہے کہ ایک گھنٹہ میں کئی گھنٹوں کا کام ہو جائے۔رزق میں برکت یہ ہے کہ کم مال سے زیادہ فائدہ ملے، مال نہ ضائع ہو اور نہ بیماری ودوا میں استعمال کرنا پڑے۔زندگی میں برکت یہ ہے کہ صحت اور رزق کے ساتھ سکون حاصل رہے۔ بندہ ایمان اور تقویٰ چھوڑ دینے سے ان برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

آخری آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا کی رنگینیوں اور عیاشیوں میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اُن پر رات کے وقت یا دن میں کسی بھی حالت میں اللہ کا عذاب آ سکتا ہے۔عقل کا تقاضا ہے کہ پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کی جائے۔

﴿13﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا . وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ o اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ o

''اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچ ہے، تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی، اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو (گناہ کی طرف) اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں ہو جائیں''۔ (فاطر: ۵، ۶)

اللہ کا وعدہ سچا ہے یعنی یہ کہ قیامت ضرور آنی ہے، مرنے کے بعد تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا اور تمہارے اعمال کا حساب ضرور لیا جائے گا۔

دنیا کی زندگی کا دھوکا اس کی لذتوں میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانا ہے۔ اور شیطان کا دھوکا یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالے کہ گناہوں سے خوب مزے اُٹھالو، اللہ معاف کرنے والا ہے۔ اس کا فریب یہ ہے کہ وہ تمہیں توبہ سے روک دے اور گناہوں پر دلیر کرے۔

رب کی محبت گناہوں سے دور لے جاتی ہے اور گناہوں کی محبت رب سے دور کر دیتی ہے۔ سوچیے ہم کس سے دور ہو رہے ہیں؟

یہ بھی شیطان کے فریب ہی کی ایک صورت ہے کہ وہ بندوں کو فرائض اور واجبات سے غافل کرے اور مستحب اُمور میں الجھائے رکھے یہاںتک کہ بندے اپنی تمام صلاحیتیں اور مال مستحب کاموں مثلاً محافلِ نعت، اس میں عمرے کے ٹکٹ وغیرہ پر خرچ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل رہیں، اور مساجد و مدارس کے انتظام کی دینی ذمہ داری کو محسوس نہ کریں۔

کئی لوگ لنگر کے لیے دیگوں کے انتظام میں پیش پیش ہوتے ہیں لیکن مدرسہ کے لیے خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے حالانکہ دین کی تعلیم و تدریس دینی ضروریات میں سے ہے اور محفل نعت یا لنگر کا اہتمام ثواب کا کام ہے، سنت یا واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ خواہشات کی پیروی کی بجائے اپنی بندگی نصیب فرمائے، آمین۔

﴿14﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ o وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ o

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور ہر جان یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ اور ان جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے اُنہیں اِس بلا میں ڈالا کہ انہیں اپنی جانیں یاد نہ رہیں، وہی فاسق ہیں''۔ (الحشر: ۱۸، ۱۹)

ان آیات میں رب تعالیٰ نے آخرت کی فکر کرنے کا واضح حکم دیا ہے۔ مومن کو ہر روز اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ آج اُس نے اپنے کل یعنی آخرت کے لیے کیا اعمال آگے بھیجے ہیں۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ دنیا آج کا دن ہے اور آخرت کل، گویا تمام دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک دن کی مثل ہے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے جیسے آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ قیامت بالکل قریب ہے جیسے آج کے بعد کل کا دن بہت قریب سمجھا جاتا ہے۔ ایک قیامت تو وہ ہے جب کائنات فنا ہوگی اور دوسری قیامت انسان کی موت کے ساتھ ہی آ جاتی ہے۔ اس سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

پہلی بار ارشاد ہوا، ''اللہ سے ڈرو''۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ پھر دوسری بار فرمایا، ''اللہ سے ڈرو''۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اچھا یا برا تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس مصیبت میں مبتلا کر دیا کہ انہیں اپنی جانوں کی فکر نہ رہی۔ ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ انہوں نے اپنی دائمی زندگی کے لیے نیکیاں جمع نہ کیں اور اپنے حقیقی نفع نقصان کی تمیز سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے دنیا میں وہ کام ہی نہیں کیے جن کی بناء پر وہ فلاحِ دارین پا کر جہنم سے بچ جاتے۔

﴿15﴾

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ o

''جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو، ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے۔ یہ ہیں وہ جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ، اور اکارت گیا جو کچھ وہاں کرتے تھے، اور نابود ہوئے جو ان کے عمل تھے''۔

(ھود:۱۵،۱۶، کنزالایمان)

جولوگ آخرت کے لیے نیکیاں نہیں کرتے بلکہ اپنے نیک اعمال سے صرف دنیا کی عزت، دولت، شہرت اور راحت چاہتے ہیں، انہیں دنیا ہی میں ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ ان کے لیے آخرت میں جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

یہ آیات ان لوگوں کے متعلق ہیں جو نیک اعمال صرف دنیاوی فائدوں کے لیے کرتے ہیں خواہ وہ کافر ہوں جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں، یا مسلمان ہوں جو زبان سے آخرت کو مانتے ہیں مگر ان کے اعمال آخرت کی فکر سے محروم اور محض دنیا ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے، ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ لہٰذا جو دنیا کی نیت کرتا ہے اسے دنیا ملتی ہے، جو آخرت کی نیت کرتا ہے، اسے آخرت ملتی ہے اور جو دونوں کی نیت کرے، اسے دونوں ملتی ہیں۔

''مومن دنیا و آخرت دونوں میں نعمتوں کا ارادہ رکھتا ہے مگر آخرت کا ارادہ غالب رکھتا ہے اس لیے اسے دنیا میں بھی بہتر جزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی نیک اعمال پر بڑا اجر ملے گا''۔ (تفسیر مظہری)

﴿16﴾

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ o

''جو آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہے، ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں''۔

(الشوریٰ:۲۰، کنزالایمان)

آخرت کی کھیتی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور اس کا پھل قیامت میں ان اعمالِ صالحہ پر اجر و ثواب ہے۔ مومن دنیا میں اپنی آخرت کے لیے جس قدر محنت کرتا ہے، کل اسے اس کی محنت سے کم از کم دس گنا زیادہ اجر ملے گا اور جس قدر زیادہ اخلاص ہوگا، اس اجر میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ جو کوئی صرف دنیا ہی کا طلبگار رہوگا، اسے دنیا ہی میں کچھ نہ کچھ دے دیا جائے گا، آخرت میں اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسان فصل بوتا ہے، اس پر مال خرچ کرتا ہے اور اس کے لیے مسلسل محنت کرتا ہے پھر کہیں جا کر فصل تیار ہوتی ہے۔ پھر وہ اس فصل سے غلہ حاصل کر کے اپنی گزر بسر کا انتظام کرتا ہے۔ اسی طرح ہم اس دنیا میں آخرت کی فصل بو رہے ہیں۔ یا تو ہم نے اچھے بیج بوئے ہیں یا خراب بیج ڈالے ہیں۔ ہم میں سے کوئی تو اس فصل سے بے پروا ہو کر فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہا ہے جبکہ کوئی پوری محنت سے اپنی کھیتی کو بہتر بنانے میں مصروف ہے۔

آخرت کی کھیتی تیار کرنے کا وقت موت آنے تک ہے۔ فصل کاٹنے کا وقت موت سے شروع ہوتا ہے۔ موت آتے ہی زندگی بھر کی لگائی ہوئی کھیتی بندے کو نظر آنے لگتی ہے۔ اُس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ آج وہی فصل ملے گی جو ہم نے موت سے پہلے تیار کی تھی۔ کانٹے بو کر پھل پانے کی تمنا سراسر حماقت ہے۔ جس نے خراب بیج ڈالے تھے، وہ بھی پشیمان ہے، اور جس نے کھیتی کی نگرانی نہیں کی، وہ بھی پچھتا رہا ہے۔

جیسے ہر کسان کو اپنی محنت دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سال کتنا غلہ ملے گا، اسی طرح آج ہم بھی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے روز و شب کس کھیتی کی محنت میں گزر رہے ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے اور آخرت کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ جب کسی کو بھی موت کے بعد دوبارہ عمل کا موقع نہیں مل سکتا تو پھر آج ہی ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار ہو جانا چاہیے۔

﴿17﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ o اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o

''بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے، اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے، اور اس پر مطمئن ہو گئے، اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں، اُن لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اُن کی کمائی کا''۔ (یونس:۷،۸، کنزالایمان)

اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو قیامت اور ثواب و عذاب کے قائل ہی نہیں، اور اُنہیں یہ فکر ہی نہیں کہ اُنہیں اپنے رب کے پاس حاضر ہو کر اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھول کر صرف دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور دنیا کی آسائشوں پر ایسے مطمئن ہیں جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور کہیں جانا ہی نہیں۔

اگر وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تو خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاتے، موت کے بعد کی زندگی کی فکر کرتے اور آخرت کے لیے نیکیاں جمع کرتے۔ ان

لوگوں کے اعمال کی سزا یہ ہے کہ انہیں جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

غور کیجیے کہ ان آیات میں قیامت کے منکروں کی جو علامات بیان ہوئی ہیں، کیا وہ آج کے اکثر مسلمانوں کا حال نہیں؟ ہمارے روز وشب کے حالات اور مصروفیات دیکھ کر کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کمانے کے علاوہ کوئی اور فکر بھی لاحق ہے؟ کاش کہ مسلمان کفار کا راستہ چھوڑ کر آقا کریم ﷺ کا راستہ اپنالیں۔

﴿18﴾

اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمۡ بِہٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ o نُسَارِعُ لَھُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَo

''کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے، یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دے رہے ہیں، بلکہ انہیں خبر نہیں ''۔(المؤمنون:۵۵،۵۶)

یعنی مال اور اولاد کی صورت میں جو نعمتیں انہیں مل رہی ہیں، یہ ان کے اعمال کی جزا ہیں اور نہ ہی رب تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ڈھیل دی جارہی ہے کہ شاید یہ اپنے رب کی طرف لوٹ آئیں۔

جو قرآن کی ہدایت سے منہ موڑ کر زندگی گزارتے ہیں، وہ قیامت میں عذاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے مگر اُس وقت کی فریاد رائیگاں ہوگی۔ رب تعالیٰ ایسے غافل اور سرکش لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے،

﴿19﴾

بَلۡ قُلُوۡبُھُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ مِّنۡ ھٰذَا وَلَھُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ ھُمۡ لَھَا عٰمِلُوۡنَ o حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِیۡھِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا ھُمۡ یَجۡئَرُوۡنَo لَا تَجۡئَرُوا الۡیَوۡمَ اِنَّکُمۡ مِّنَّا لَا تُنۡصَرُوۡنَ oقَدۡ کَانَتۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَکُنۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ تَنۡکِصُوۡنَo

''بلکہ اُن کے دل اِس (قرآن) سے غفلت میں ہیں اور اُن کے کام اِن (نیک) کاموں سے جدا ہیں جنہیں وہ کر رہے ہیں۔ یہانتک کہ جب ہم پکڑیں گے اُن کے امیروں کو عذاب میں، تو وہ فریاد کریں گے۔ آج فریاد نہ کرو، ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی۔ بیشک میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پلٹ جاتے تھے''۔(المؤمنون:۶۳ تا۶۶)

جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں قرآن مجید کی ہدایت سے غافل رہتے ہیں اور اپنی من مانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، وہ قیامت کے دن ضرور عذاب میں گرفتار کیے جائیں گے۔ آج دنیا میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام سے تکبر کرنے والے کل دوزخ میں رحم کی فریاد کریں گے مگر ان کی بات نہ سنی جائے گی۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی گمراہی کا اکثر سبب ان کے مال و دولت ہی ہوتے تھے جس کے نشے میں وہ اپنی قبر اور آخرت کو بھول جاتے تھے۔

﴿20﴾

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَھُمۡ نَارُ جَھَنَّمَ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡھِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَلَا یُخَفَّفُ عَنۡھُمۡ مِّنۡ عَذَابِھَا کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ کُلَّ کَفُوۡرٍ o وَھُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡھَا رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ.

''اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کی قضا آئے گی کہ مرجائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ ہلکا کیا جائے۔ ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر بڑے ناشکرے کو۔ اور وہ (دوزخی) اس میں چلاتے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال کہ ہم اچھے کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے''۔

اس پر اُنہیں یہ جواب دیا جائے گا،

اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیۡہِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَ جَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍo

'' اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا، اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا، تو اب (عذاب کا مزہ) چکھو، کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''۔(فاطر:۳۷، کنزالایمان)

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں ساٹھ سال والے لوگ! یہ وہ عمر ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں۔(مشکوٰۃ)

﴿21﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَo (البقرۃ:۲۰۳)

''اوراللہ سے ڈرتے رہو،اور جان رکھو کہ تمہیں اُسی کی طرف اُٹھنا ہے''۔

﴿22﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ط

''اوراللہ سے ڈرتے رہواور جان رکھو کہ تمہیں اُس سے ملنا ہے''۔(البقرۃ:۲۲۳)

﴿23﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ. ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَo

''اورڈرواُس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گےاور ہر جان کواس کی کمائی پوری بھردی جائے گی اوران پرظلم نہ ہوگا''۔(البقرۃ:۲۸۱)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب ہے،اللہ تعالیٰ اوررسولِ معظم ﷺ کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کی پوری کوشش کرنا۔اس نصب العین کوحاصل کرنے میں سب سے زیادہ معاون ''اللہ تعالیٰ سے ملاقات'' کاعقیدہ ہے۔اسی لیے قرآن کریم میں مختلف انداز میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ تمہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے،اُسی کی طرف اُٹھنا ہے،اُس سے ملنا ہے،تمہیں اپنے کیے کاحساب دینا ہوگا۔

ہرجان کواس کےاعمال کا بدلہ دیا جائے گااورکسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔عمل چاہے چھوٹا ہو یا بڑا،اس کے متعلق حساب ضروردینا پڑے گا۔رب تعالیٰ کا میزان ایسا ہے کہ اس پررائی کے برابرعمل بھی تولا جائے گا۔ارشادہوا،

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَاحٰسِبِيْنَ﴾

''اورہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن،توکسی جان پرکچھ ظلم نہ ہوگا۔اوراگرکوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہوتو ہم اسے لے آئیں گےاور ہم کافی ہیں حساب کو''۔(الانبیاء:۴۷،کنزالایمان)

﴿24﴾

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْ مَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا o

''تم فرماؤ!کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کرناقص عمل کن کے ہیں؟اُن کےجن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اوروہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں اوراس کا ملنا نہ مانا،توان کا کیا دھراسب اکارت ہے،توہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے''۔(الکھف:۱۰۳-۱۰۵)

وہ کون لوگ ہیں جوعمل کرکرکے تھک گئےاوران کا خیال تھا کہ وہ اپنے اعمال کی جزا پائیں گےمگران کے اعمال باطل ومردود قرار پائے۔ان لوگوں سے مرادبعض مفسرین کے نزدیک یہودونصاریٰ اوران کے راہب ہیں۔سیدنا مولاعلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،ان سے مرادخارجی ہیں۔

ان آیات سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جونہ رسول پرایمان لائے نہ قرآن پر،اوروہ آخرت اورحساب وکتاب کے منکررہے،نیزآج کے وہ روشن خیال بھی جورسمی ایمان رکھتے ہیں اوران کی سوچ یہودونصاریٰ کی سوچ کی آئینہ دارہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بعض لوگ ایسے اعمال لائیں گے جوان کے خیالوں میں مکہ کے پہاڑوں سے زیادہ بڑے ہونگے لیکن ان میں کچھ وزن نہ ہوگا یعنی انکے اعمال کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

﴿25﴾

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ.

''اوراپنی جان کوان سے مانوس رکھوجوصبح وشام اپنے رب کوپکارتے ہیں،اس کی رضاچاہتے ہیں۔اورتمہاری آنکھیں انہیں چھوڑکرکسی اور پرنہ پڑیں۔کیاتم دنیا کی زندگی کاسنگھارچاہوگے؟اوراس کا کہانہ مانوجس کادل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیااوروہ اپنی خواہش کے پیچھے چلااوراس کا کام حد سے گزر گیا۔اورفرمادوکہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے''۔(الکھف:۲۸)

کفارکی ایک جماعت نے سیدعالم ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں غریبوں مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے۔اگرآپ ان کودورکردیں توہم اسلام لے آئیں۔اس پریہ آیت نازل ہوئی۔بظاہرخطاب نبی کریم ﷺ سے ہےمگرمخاطبین ہم سب ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ہمارے لیے ایک بات یہ فرمائی گئی کہ اپنا تعلق اللہ والوں کے ساتھ قائم کرو جو صبح وشام اس کی رضا چاہتے ہیں۔ان نیکوں سے محبت کرو اور ان کی صحبت میں رہو۔جہاں نگاہ جاتی ہے وہیں دل رہتا ہے اس لیے اپنی نگاہوں کا مرکز انہی صالحین کو بناؤ اور دنیا داروں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ۔

ہمارے لیے دوسری ہدایت یہ ہے کہ ایسے شخص کا کہنا مت مانو جو ہماری یاد سے غافل ہے، جس کی زندگی کا مقصد نفسانی خواہشات کی پیروی ہے اور جو دنیا کے حصول میں حلال وحرام کی تمیز کھو چکا ہے۔ایسے دنیا پرست کی فکر اور صحبت سے بچو اور رضائے الٰہی کے طلبگار نیک لوگوں کے ساتھ رہو۔

آخری بات یہ کہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچاؤ کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت واطاعت ہی حق ہے۔جس حقیقت کو صالحین نے اور پھر تم نے بھی پالیا، اسے دوسروں تک پہنچانے کی پوری کوشش کرو۔

﴿26﴾

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ o يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ o اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُo يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌo نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِo

”اور کان لگا کر سنو، جس دن پکارنے والا پکارے گا ایک پاس جگہ سے۔جس دن چنگھاڑ سنیں گے حق کے ساتھ، یہ دن ہے قبروں سے باہر آنے کا۔ بیشک ہم جلائیں اور ہم ماریں اور ہماری طرف پھرنا ہے۔

جس دن زمین ان سے پھٹے گی تو جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے، یہ حشر ہے ہم کو آسان۔ہم خوب جان رہے ہیں جو وہ کر رہے ہیں اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔تو قرآن سے نصیحت کرو اُسے جو میری دھمکی سے ڈرے“۔(قٓ:۴۱ تا ۴۵)

اُس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور چنگھاڑ سے مراد دوسری بار صور پھونکنے کی آواز ہے جسے سن کر قدرتِ الٰہی سے گلی ہوئی ہڈیاں، بکھرے ہوئے جوڑ، ریزہ ریزہ گوشت اور خاک میں ملے ہوئے بال سب جمع ہو کر پھر سے انسانی وجود میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف چلیں گے۔

﴿27﴾

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ o وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ o وَلَا يَسْــَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا o يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّالْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِo وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِo وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِo وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِo كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰىo نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىo تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى o وَجَمَعَ فَاَوْعٰىo

”جس دن آسمان ہوگا جیسے پگھلی چاندی، اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے جیسے اُون، اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا، ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے۔

مجرم آرزو کرے گا، کاش! اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے، اور اپنی بیوی، اور اپنا بھائی، اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے، اور جتنے زمین میں ہیں سب، پھر یہ بدلہ دینا اُسے بچالے۔

ہرگز نہیں، وہ تو بھڑکتی آگ ہے، کھال اُتار لینے والی، بلا رہی ہے اُس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور منہ پھیرا، اور (مال) جوڑ کر سینت رکھا“۔(المعارج:۸ تا ۱۸)

ان آیات میں قیامت کے دن کی بعض ہولناک باتیں بیان ہوئیں ہیں۔آسمان ایسے ہو جائے گا جیسے پگھلی ہوئی دھات، اور پہاڑ ایسے جیسے دھنکی ہوئی اُون۔نفسانفسی کا یہ عالم ہوگا کہ جگری دوست اپنے جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔یہ اس لیے نہیں ہوگا کہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہ ہوگا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے اور پہچاننے کے باوجود حال تک نہ پوچھیں گے کیونکہ ہر کوئی اپنی فکر میں گرفتار ہوگا۔

مجرم چاہے گا کہ کاش آج مجھے عذاب نہ ہو خواہ میرے بدلے میں میری لاڈلی اولاد، پیاری بیوی، جاں نثار بھائی بلکہ سارا خاندان اور تمام لوگ جہنم میں ڈال دیے جائیں، بس کسی طرح میں بچ جاؤں۔ناممکن، ہرگز نہیں۔آج وہ دن ہے کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔جس نے جو کیا، وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

غور کیجیے آج جن پیاروں کی خوشی کی خاطر بندہ حلال وحرام میں فرق بھول جاتا ہے، اپنے رب کی عبادت کو فراموش کر دیتا ہے، کل قیامت کا عذاب دیکھ کر اپنے بدلے میں انہی پیاروں کو جہنم میں ڈالنے کی خواہش کرے گا۔کاش کہ ہم آج یہ سمجھ لیں اور کسی کی دنیا کی خاطر اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

پھر فرمایا گیا، کھال اُتار لینے والی آگ اُسے بلا رہی ہے جس نے ہدایت سے منہ پھیرا، اور خوب مال جمع کیا مگر مال کے شرعی حقوق ادا نہ کیے۔
قیامت کا دن کافر کو اس کی شدت کی وجہ سے پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا جبکہ مومن کو وہ دن اس قدر ہلکا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت۔

﴿28﴾

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ o طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ o کَالۡمُهۡلِ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ o کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ o خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ o ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ o ذُقۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُo اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَo (الدخان:۴۳-۵۰)

”بیشک تھوہڑ کا پیڑ گناہگاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے، جیسے کھولتا پانی جوش مارے، (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ)اسے پکڑو، ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ (اور کہو) چکھ! ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا، کرم والا ہے۔ بیشک یہ ہے وہ (عذاب) جس میں تم شبہ کرتے تھے“۔ (کنزالایمان)

ابو جہل، نبی کریم ﷺ کی دعوت کو جھٹلاتا اور کہا کرتا، میں بڑا عزت والا، کرم والا ہوں۔ قیامت میں اُسے گھسیٹتے ہوئے آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور اس کے سر پر تیز گرم کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس کی مزید توہین اور تذلیل کے لیے عذاب دیتے وقت اُسے یہ کہا جائے گا، ”ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا، کرم والا ہے“۔

ان آیات میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو اپنے سوشل اسٹیٹس، نام و نمود اور اپنے بڑے پن کی وجہ سے ہدایت قبول کرنے سے منہ موڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے بندے کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے نہ یہ کہ وہ تکبر کرے اور اس آیت کا مصداق بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ﴾ (البقرۃ:۲۰۶)

”اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے، اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے“۔ (کنزالایمان)

﴿29﴾

یَتَسَآءَلُوۡنَ oعَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ o مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَo قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ o وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ o وَکُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ o وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِo حَتّٰۤی اَتٰنَا الۡیَقِیۡنُo

”پوچھتے ہیں مجرموں سے، تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی؟ وہ بولے، ہم نماز نہ پڑھتے تھے، اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے، اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے، اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے، یہانتک کہ ہمیں موت آئی“۔

(المدثر:۴۰ تا ۴۷)

جنتی لوگ دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی سزا میں دوزخ میں ڈالے گئے ہو؟ جہنمی اپنے چار جرائم کا اعتراف کریں گے۔
ایک یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوم یہ کہ وہ کسی غریب مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ سوم یہ کہ وہ بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ باتوں میں شریک ہوتے تھے۔ چہارم یہ کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔
نماز سے غفلت، مسکین کی حاجت پوری نہ کرنا، بیہودہ اور فحش باتوں میں شریک ہونا نئی نسل میں کینسر کی طرح پھیل رہا ہے، رہی سہی کسر مغرب زدہ میڈیا، انٹرنیٹ اور موبائیل فون نے پوری کر دی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان گناہوں سے خود کو اور اپنے گھر والوں کو بچائیں۔

﴿30﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ o فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ الۡبَیِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌo هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُo

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو، اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ کس کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں، اور فرشتے اتریں، اور کام ہو چکے۔ اور سب کاموں کا رجوع اللہ کی طرف ہے“۔ (البقرۃ:۲۰۸ تا ۲۱۰)

ولیٔ کامل استاذی و مرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں،
اہلِ کتاب میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ایمان لانے کے بعد شریعتِ موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے۔ وہ ہفتہ کے دن کی

تعظیم کرتے، اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے ۔ یہ سوچ کر کہ یہ اسلام میں مباح ہیں، ان کا کرنا ضروری نہیں جبکہ توریت میں ان سے بچنا لازم ہے۔اس لیے توریت پر بھی عمل ہوجائے گا اور یہ اسلام کی مخالفت بھی نہیں۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ توریت کی موافقت میں چند مباح چیزوں کو چھوڑنے پر جب اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو نہ صرف اسلام کے فرائض و واجبات ترک کرتے ہیں بلکہ حرام کاموں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی مشابہت و پیروی کرنے پر علانیہ فخر بھی کرتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا بنیادی تقاضا ہر باطل وطاغوت سے بیزاری کا اعلان اور کامل طور پر دینِ اسلام میں داخل ہونا ہے۔(فلاحِ دارین:۶۴)

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔اس لیے حکم دیا گیا کہ اسلام میں پورے داخل ہوجاؤ۔جو اسلام میں پورا داخل نہیں ہوتا، وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔یہ کیسے مسلمان ہیں کہ عبادات کا معاملہ ہوتو اسلام، اور معاشی نظام ہوتو سودی۔ثقافت کی بات ہوتو بے حیائی، ناچ گانا، مراثی خانہ۔کس قدر منافقت ہے۔

جو ملک اسلام کے نام پر بنا، لاکھوں مسلمانوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں، 1973 کے متفقہ آئین میں تحریر ہے کہ ملک کا کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوسکتا۔اس کے باوجود اسلام کے قوانین اور اسلامی اقدار واخلاق کو علانیہ پامال کیا جائے، کیا یہ سب عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟؟؟

آخری آیت میں فرمایا گیا، شیطان کی فرمانبرداری کرنے والے کس بات کے انتظار میں ہیں سوائے اس کے کہ اللہ کا عذاب آجائے۔نعوذ باللہ منہ۔

﴿31﴾

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًاo اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًاo وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًاo لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًاo قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًاo لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًاo

”بلکہ یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں، اور جو قیامت کو جھٹلائے، ہم نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ۔جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب اس کی کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں گے۔فرمایا جائے گا، آج ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو۔

تم فرماؤ! کیا یہ (عذاب) بھلا، یا وہ ہمیشگی کے باغ جس کا وعدہ ڈر والوں کو ہے، وہ ان کا صلہ اور انجام ہے۔ان کے لیے وہاں من مانی مرادیں ہیں، جن میں ہمیشہ رہیں گے، تمہارے رب کے ذمہ وعدہ ہے، مانگا ہوا“۔(الفرقان:۱۱تا۱۶، کنزالایمان)

ان آیات میں منکروں کے لیے دوزخ کے بعض عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ وہ آج توبہ کر کے اپنے آپ کو ان مصائب وتکالیف سے بچالیں۔جب انہیں زنجیروں میں جکڑ کر غصہ سے چنگھاڑتی ہوئی دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ہر ایک تکلیف سے چلائے گا، ہائے تباہی! ہائے موت آجا۔ان سے کہا جائے گا، ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو کیونکہ جہنم میں تم کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا کیے جاؤ گے۔

پھر آخرت کے منکروں سے پوچھا جا رہا ہے کہ جہنم اور اس کا عذاب بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ ہے، جس میں جو وہ چاہیں گے وہ نعمت عطا ہوگی۔یہ اللہ کا پکا اور سچا وعدہ ہے، اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

﴿32﴾

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًاo اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًاo وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًاo يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًاo لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًاo (الفرقان:۲۵تا۳۰)

”اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں سے، اور فرشتے اتارے جائیں گے پوری طرح۔اُس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے، اور وہ دن کافروں پر سخت ہے۔

اور جس دن ظالم اپنا ہاتھ (ندامت سے) چبا ڈالے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔وائے خرابی میری! ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اُس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت سے، اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا

ہے‘‘۔(کنزالایمان)

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض حالات کی منظر کشی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح ظالم اور گمراہ لوگ اُس دن پچھتائیں گے۔ظالم کہے گا،کاش!میں رسول پر ایمان لایا ہوتا اور میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔کاش!میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔بیشک اس نے مجھے گمراہ کردیا۔

معلوم ہوا کہ دوستی عقائد پر اثر انداز ہوتی ہے۔مومن کو دوست بناتے وقت ضرور دیکھنا چاہیے کہ وہ صحیح العقیدہ مومن ہی سے دوستی کرے۔بدمذہب اور گمراہ سے دوستی گناہ ہے۔آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے،’’آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا اُسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے‘‘۔(ترمذی،ابوداؤد)

آقائے دوجہاں ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے،’’آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے‘‘۔(بخاری) جو بھی رسولِ معظم ﷺ کی بارگاہ کے گستاخوں اور بدمذہبوں سے دوستی کریں گے،وہ قیامت میں مذکورہ صورتحال کا شکار ہونگے۔

﴿33﴾

اِنَّ اللّٰـهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًاo خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا. لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا o يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا o وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا o رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًاo

’’بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کررکھی ہے۔اس میں ہمیشہ رہیں گے،اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔ جس دن اُن کے منہ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں گے،کہتے ہونگے،ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا،اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

اور کہیں گے،اے ہمارے رب!ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔اے ہمارے رب!انہیں آگ کا دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر‘‘۔(الاحزاب:۶۴ تا ۶۸)

ان آیات میں رب تعالیٰ نے کافروں پر لعنت اور بھڑکتی آگ کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔دنیا میں وہ عذاب وثواب کا انکار کرتے تھے،اب وہی عذاب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

جب ان کے چہرے اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں گے اُس وقت نہایت حسرت سے کہیں گے،ہائے کاش!ہم نے دنیا میں اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی تو آج ہم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔

پھر وہ اپنے گمراہ کرنے والے مذہبی پیشواؤں اور بڑوں کو کوسیں گے کہ انہوں نے ہمیں اصلاح کی آڑ میں سیدھے راستے سے گمراہ کردیا۔پھر کہیں گے،یارب!انہیں دگنا عذاب دے،اور ان پر زیادہ لعنت کر۔

دین کی آڑ میں اور اصلاحِ عقائد کے نام پر گمراہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو راہِ حق سے بہکانے میں مصروف ہیں لہٰذا ہر ’’ڈاکٹر‘‘ یا ’’مولانا‘‘ سے دین نہیں سیکھنا چاہیے جب تک کہ اس کے صحیح العقیدہ مومن ہونے کی تحقیق نہ کرلی جائے۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،’’بیشک یہ علم دین ہے۔پس تم دیکھ لو کہ تم دین کس سے سیکھ رہے ہو‘‘۔(صحیح مسلم)

﴿34﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ o وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا. فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ o اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o

’’اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں،بے سمجھے،اور اسے ہنسی مذاق بنالیں۔اُن کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔اور جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لے جیسے اس نے سنا ہی نہیں،جیسے اُس کے دونوں کان بہرے ہیں،تو اُسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے،اُن کے لیے چین کے باغ ہیں،ہمیشہ ان میں رہیں گے،اللہ کا وعدہ سچا ہے،اور وہی عزت وحکمت والا ہے‘‘۔(لقمٰن:۶-۹)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ قمطراز ہیں،’’ہر وہ بات ’’لَهْوَ الْحَدِيْثِ‘‘ ہے جو تجھے اللہ کی عبادت اور اسکے ذکر سے غافل کر دے‘‘۔(تفسیر روح المعانی)

شیخ التفسیر مفتی سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

''لہو یعنی کھیل ہر اُس باطل چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کو نیکی سے اور کام کی باتوں سے غفلت میں ڈالے۔ کہانیاں، افسانے اسی میں داخل ہیں''۔ (خزائن العرفان)

پھر ظاہر ہے کہ ڈرامے، فلمیں، ریسلنگ اور ایسے کھیل جن میں کئی کئی گھنٹے آدمی نماز اور دیگر نیک کاموں سے غافل رہتا ہے، یہ سب بھی ''لَھْوَالْحَدِیْث''، یعنی ''غافل کر دینے والی باتوں'' میں داخل ہیں۔ بعض اکابر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے ''لَھْوَالْحَدِیْث'' کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے۔ (حاکم، بیہقی)

نضر بن حارث مکہ کا ایک کافر تاجر تھا جو گانے بجانے والی لونڈیاں لیکر آیا تھا۔ جو لوگ قرآن سننا چاہتے وہ لونڈیوں سے انہیں گانے سنواتا اور اس طرح لوگوں کو قرآن سے دور کیا کرتا تھا۔ کیا آج کا میڈیا ''نضر بن حارث'' کا کردار ادا نہیں کر رہا؟ فکر کیجیے کہ کہیں ہم بھی تو اسی کے جال میں گرفتار نہیں؟

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، میری امت کے کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پئیں گے۔ وہ باجوں اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

آج ایک سازش کے ذریعے نوجوان نسل کو فحاشی وعریانی کا خوگر اور عیش ونشاط کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے۔ ثقافت کے نام پر کثافت پھیلائی جا رہی ہے۔ نوجوانوں اور بچوں تک کے پاکیزہ ذہنوں کو بے حیائی کی گندگی سے آلودہ کیا جا رہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکومتی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''بیشک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اگر کوئی ان آیات کو جان کر بھی اپنے حال کی اصلاح کرنے پر آمادہ نہ ہو تو کیا وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب سہنے کے لیے تیار ہے؟؟؟

﴿35﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِo اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ o مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ o وَجَآءَ تْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُo وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ؕ ذٰلِکَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ o وَجَآءَ تْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَھَا سَآئِقٌ وَّ شَھِیْدٌ o لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَ کَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌo

''اور بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے، اور ہم دل کی رگ سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔ اور جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

اور آئی موت کی سختی، حق کے ساتھ، یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا گیا، یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن۔ اور ہر جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ۔ بیشک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا، تو آج تیری نگاہ تیز ہے''۔ (قٓ:۱۶ تا ۲۲)

ہر انسان کے ساتھ ہر وقت دو فرشتے رہتے ہیں جو اس کے نیک و بد تمام اعمال لکھتے ہیں۔ نبی مکرم نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے،

نیکیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں کندھے پر جبکہ برائیاں لکھنے والا فرشتہ بائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امیر ہوتا ہے۔ جب انسان اچھا عمل کرتا ہے تو دائیں کندھے والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے اور جب انسان کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں کندھے والا بائیں کندھے والے فرشتے کو کہتا ہے، سات گھنٹے تک اس کی برائی نہ لکھو، شاید یہ اللہ کی تسبیح کرے اور استغفار کر لے۔ (بیہقی، تفسیر مظہری)

موت کے وقت جان کنی کے آثار دیکھ کر ہر کوئی اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیتا ہے کہ بہر حال اس زندگی کا اختتام ہے، اس وقت منکر کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی کیونکہ موت حق اور سچ بن کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ پھر قیامت کے دن دو فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے، ایک ہانکنے والا اور دوسرا اس کے اعمال کا گواہ۔

آخری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اِس آخرت سے دنیا میں غافل تھے یعنی اُس وقت تم اِسے اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ آج ہم نے پردہ اٹھا دیا ہے تو تمہاری نگاہ دیکھنے کے قابل ہو گئی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ دنیا کی زندگی کی مثال خواب کی سی ہے اور آخرت کی مثال بیداری کی ہے۔ جب آدمی خواب دیکھتا ہے تو اسے آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے باہر کچھ نظر نہیں آتا۔

اسی طرح دنیا کی زندگی میں آدمی کو آخرت کی کوئی چیز نظر نہیں آسکتی مگر جیسے ہی اس کی ظاہری آنکھیں بند ہوتی ہیں، خواب کا عالم ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ

حقیقی بیداری میں آخرت کی سچائیوں کو دیکھتا ہے۔علماء کا بصیرت افروز ارشاد ہے، دنیا کی زندگی میں سب انسان سو رہے ہیں، جب موت آئے گی تو بیدار ہو جائیں گے۔

﴿36﴾

يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ٥ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَيَقُوۡلُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ٥ اِنِّىۡ ظَنَنۡتُ اَنِّىۡ مُلٰقٍ حِسَابِيَهۡ ٥فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ٥ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ٥ قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ٥ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓــًٔا ۢ بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ٥ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ ٥ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ ٥ يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ٥ مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ ٥ هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ٥خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ٥ ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ٥ ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ٥

’’اُس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، کہے گا، لو میرے نامۂ اعمال پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔تو وہ پسندیدہ چین میں ہے۔عالیشان باغ میں، جس کے خوشے جھکے ہوئے۔کھاؤ اور پیو، مزے کرو، صلہ اُس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔

اور وہ جو اپنا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، کہے گا، ہائے کسی طرح مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا۔اور میں نہ جانتا کہ حساب کیا ہے۔ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی۔میرے کچھ کام نہ آیا میرا مال۔میرا سب زور جاتا رہا۔

(فرشتوں کو حکم ہوگا) اسے پکڑو، پھر اسے طوق ڈالو۔ پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ۔ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے، اسے پرو دو‘‘۔ (الحاقۃ:۱۸تا۳۲)

پہلی بات یہ واضح ہوئی کہ قیامت کے دن کوئی شخص حساب دینے سے چھپ نہیں سکتا۔ پھر مومن کے احوال بیان ہوئے جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اور وہ جنت میں اپنی پسند کی نعمتیں پائے گا۔اسے کہا جائے گا، اب کھاؤ پیو اور مزے کرو کیونکہ تم نے دنیا میں اپنی خواہشات کو میرے حکم کے تابع کر دیا تھا۔

بدبخت ہوگا وہ جس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔وہ چیخے گا اور واویلا کرے گا، ہائے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا، کاش موت ہی میرا قصہ تمام کر دیتی اور میں حساب کے لیے زندہ نہ کیا جاتا۔میرا مال و دولت کہاں گیا، میری قوت، میرا اقتدار اور میرے جاں نثار کہاں گئے، آج کوئی بھی مجھے بچانے والا نہیں۔

پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے ملا کر طوق میں باندھ دو اور اسے جہنم کی آگ میں پھینک دو۔ پھر ستر گز لمبی زنجیر اس کے جسم میں ایسے داخل کر دو جیسے کسی چیز میں ڈورا پرو دیا جاتا ہے، اور پھر اسے آگ میں لٹکا دو۔

رب کریم ہمیں آج ایسے کام کرنے کی توفیق دے کہ کل ہمارا نامۂ اعمال ہمیں دائیں ہاتھ میں ملنا نصیب ہو، آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ۔

﴿37﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلٰۤئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ ٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ

’’اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔اس پر سخت طاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو، وہی کرتے ہیں۔اے کافرو! آج بہانے نہ بناؤ، تمہیں وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے‘‘۔(التحریم:۶تا۸)

پہلے ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی بات تو سمجھ میں آ گئی۔ یہ فرمائیے کہ ہم اپنے گھر والوں کو جہنم سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، انہیں جہنم سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے تمہیں منع فرمایا ہے، اُن کاموں سے اپنے گھر والوں کو بھی منع کرو۔اور جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے، ان کے کرنے کا اپنے گھر والوں کو بھی حکم دو۔(تفسیر روح المعانی)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو دینی علم سکھانے کا اہتمام کرے، انہیں فرائض و واجبات اور حلال و حرام کے احکام سکھائے، اور پھر اس دینی علم پر عمل کرانے کی بھرپور کوشش کرے۔ تعلیم کے ساتھ دینی تربیت بھی والدین اور بڑوں کی ذمہ داری ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،''کسی والد نے اپنی اولاد کو اچھے آداب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا''۔ایک اور جگہ فرمایا،''جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوجائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ، اور اسی عمر سے ان کے بستر علیحدہ کردو''۔(مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ اُس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے،''اے میرے بیوی بچو! تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوٰۃ، تمہارا مسکین، تمہارا یتیم، تمہارے پڑوسی''۔امید ہے کہ رب تعالیٰ ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا۔

یعنی تم اپنی نماز، اپنے روزے، اپنی زکوٰۃ وغیرہ کا خیال رکھو اور مسکین، یتیم اور پڑوسی کے شرعی حقوق ادا کرو۔اگلی آیت میں کفار کو خطاب ہے کہ اب تمہارا ٹھکانا جہنم تمہارے سامنے ہے، لہٰذا اب تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

پھر ایمان والوں کو سچی توبہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ سچی توبہ وہ ہے جس میں تین باتیں ہوں۔ بندہ اُس گناہ کو چھوڑ دے، اُس گناہ پر شرمندگی محسوس کرے، اور پختہ عزم کرے کہ پھر وہ گناہ نہیں کرے گا۔

نبی کریم ﷺ نے توبۃ النصوح کے متعلق ارشاد فرمایا،

''جو گناہ بندے سے ہوا، اُس پر شرمندہ ہو، رب تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے، پھر وہ گناہ اس سے صادر نہ ہو جس طرح بکری کے تھن سے دودھ نکل آئے تو پھر دوبارہ اس تھن میں داخل نہیں ہوسکتا''۔

﴿38﴾

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَo وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَo بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَo

''تم فرماؤ! تو کیا اللہ کے سوا دوسرے کے پوجنے کو مجھ سے کہتے ہو اے جاہلو!۔اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار(نقصان) میں رہے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں میں سے ہو''۔(الزمر:۶۴ تا ۶۶)

شرک کی طرف بلانے والوں کو جاہل اس لیے فرمایا کہ انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اگلی آیت سے واضح ہے کہ تمام انبیاء کی طرف وحی ہوئی کہ اگر کوئی کسی کو اللہ کا شریک کرے گا تو اس کے تمام اعمال برباد ہوجائیں گے اور وہ نقصان میں رہے گا۔

شرک کا مفہوم سمجھ لیجیے۔شرک کے شرعی معنی ہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک یا ہمسر ماننا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجبُ الوجود یا معبود سمجھنا یا کسی مخلوق کی کوئی صفت مستقل بِالذات ماننا۔واجبُ الوجود کا مطلب ہے، جس کا وجود ہر حال میں ضروری ہو، یعنی جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔

شرک کے متعلق علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی رحمہ اللہ (م ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں،

اَلْاِشْرَاکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْھِیَّةِ بِمَعْنَی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنَی اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

یعنی''شرک یہ ہے کہ کوئی اُلوہیت میں کسی کو شریک کرے جیسا کہ مجوسی اللہ تعالیٰ کے سوا واجبُ الوجود مانتے ہیں یا عبادت کا مستحق ہونے میں کسی کو شریک کرے جیسا کہ بت پرست کرتے ہیں''۔(شرح عقائد نسفی:۱۶)

عموماً کہا جاتا ہے کہ''اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی مخلوق میں ماننا شرک ہے''، یہ بات درست نہیں۔قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدد صفات بندوں کی طرف کیوں منسوب فرمائی ہیں۔مثلاً سمیع، بصیر، حی، علیم، رؤف، رحیم، حفیظ، ولی، علی، غنی، عظیم، شکور، نور، شھید، کریم، حلیم، عزیز، خبیر، قوی، الملک، الحق، المبین وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا مشہور صفاتی نام''رب'' ہے۔قرآن مجید میں پانچ جگہ یہ صفت بندوں کے لیے بیان ہوئی ہے۔جب بندے کو مجازاً''رب'' کہہ دینا شرک نہیں ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے تو پھر سید علی ہجویری کو داتا اور گنج بخش کہنا، سید عبدالقادر جیلانی کو دستگیر اور غوثِ اعظم کہنا اور خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ کو غریب نواز کہنا کیونکر شرک ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں کوئی صفاتی نام بھی داتا، گنج بخش، غوثِ اعظم، دستگیر یا غریب نواز نہیں ہے۔

ایک اور مثال لیجیے۔سب لوگ اپنے عالم کو''مولانا'' کہتے ہیں جس کا معنی ہے،''ہمارا مددگار''۔یہ کہنا کسی کے نزدیک بھی شرک نہیں اور نہ ہی کوئی اسے ﴿اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کے منافی سمجھتا ہے جبکہ قرآن میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان ہوئی ہے۔

﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾''تو ہمارا مددگار ہے''۔(البقرۃ:۲۸۶)

﴿هُوَ مَوْلٰنَا﴾ ''وہ ہمارا مددگار ہے''۔(التوبۃ:۵۱)
اور ایک جگہ جبریل علیہ السلام اور صالحین کے لیے یہی صفت بیان ہوئی ہے۔
﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التحریم:۴)
''بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے''۔(کنز الایمان)
آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ﴾
''جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے''۔(ترمذی ابواب المناقب)
یہ حدیث صحیح ہے اور اسے تیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔اس مثال سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ مددگار ہے، جبریل علیہ السلام مددگار ہیں، مولا علی رضی اللہ عنہ مددگار ہیں اور اولیاء کرام بھی مددگار ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی اور مجازی طور پر کسی مخلوق کے لیے ماننا شرک نہیں کیونکہ قرآن حکیم میں واضح طور پر یہ اصول موجود ہے،
﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ''اللہ بے نیاز ہے''۔(الاخلاص:۲)
یعنی اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور اپنی صفات میں کسی کا محتاج نہیں۔اس کی تمام صفات ذاتی ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔جبکہ ہر مخلوق اپنے وجود اور اپنی صفات میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور اس کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور ممکن ہے یعنی عارضی اور فانی ہے۔
صفات میں شرک تو جب ہوگا کہ کوئی، مخلوق کی کسی صفت کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت قرار دے یعنی مخلوق کی کسی صفت کو ذاتی، قدیم اور لامحدود سمجھے۔اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کا شبہ کرنا یقیناً کسی صاحبِ عقل و دانش کو زیب نہیں دیتا۔
''توحید اور شرک'' کے عنوان سے اس فقیر نے 240 صفحات کی مدلل کتاب لکھی ہے، اہلِ ذوق حضرات ضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

﴿39﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌo
''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے کی آواز سے، اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔
بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے چُن لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے''۔
شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اونچا سننے کا مرض تھا اس لیے بات کرتے ہوئے ان کی آواز بلند ہو جایا کرتی تھی۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ گھر بیٹھ گئے اور کہنے لگے، میں جہنمی ہوگیا۔آقا کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا، نہیں بلکہ وہ تو جنتی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ ان سے فرمایا، کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو پسندیدہ زندگی گزارے، شہادت کی موت پائے اور جنت میں داخل ہو۔
فطری بات ہے کہ جب تک کسی سے محبت نہ ہو اور اس کی عظمت کا احساس دل میں نہ ہو، اس وقت تک اس کی تعظیم و ادب کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔رب تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے محبت کو ایمان کی پہلی شرط قرار دیا اور ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔
﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ ''اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو''۔(الفتح:۹)
یہ بھی عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک روشن پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے آداب خود قرآنِ عظیم میں بیان فرمائے۔یہاں تک کہ اس آیت مبارکہ میں بارگاہِ نبوی میں آواز اونچی کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر آواز بلند کرنے کی بے ادبی تم سے سرزد ہوگی تو تمہارے تمام اعمال برباد کردیے جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہوگا۔
معلوم ہوا کہ دو گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے نامۂ اعمال کی تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ایک شرک اور دوسرا بارگاہِ رسالت میں بے ادبی۔غور کیجیے کہ یہ دوسرا گناہ پہلے گناہ سے بھی بڑا ہے اس لیے اس کی اضافی سزا یہ ہے کہ اعمال برباد ہو جائیں گے اور اس کا احساس تک نہ ہوگا۔یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام سے ہو رہا ہے جن کا ایمان بے مثل، جن کی عبادات بے مثال، جن کی دینداری لاجواب۔
افسوس! آج بعض لوگ اپنے علم و عبادت پر ناز کرتے ہوئے حضور ﷺ کے کمالات و اوصاف میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اور ان کے علم و اختیار، حیات بعد از وصال اور شاہد و شہید یعنی حاضر و ناظر ہونے کے متعلق نازیبا زبان استعمال کرتے ہیں۔انہیں ان کی تنگ نظری کا احساس بھی دلایا

جائے تو باطل تاویلوں کے ذریعے گمراہی پر مصر رہتے ہیں۔
اگر آج انہیں یہ شعور ہو جائے تو توبہ کر کے سچے مومن بن جائیں لیکن یہ سزا ہے بارگاہِ رسالت میں گستاخی کی کہ انہیں شعور واحساس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔
معارفُ القرآن میں اس آیت کے تحت تحریر ہے، ''اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا تمام اعمالِ خیر کو برباد کر دینے والا ہے''۔ (جلد ۸ ص ۹۸)
پھر ایمان سے کہیے کہ آواز کا اونچا ہو جانا بڑی گستاخی ہے یا حضور ﷺ کی حیات بعد از وصال، علمِ غیب اور تصرف واختیار کا انکار جس پر متعدد آیات واحادیث گواہ ہیں۔ سوچیے کیا حضور کے والدین کے ایمان کا انکار ان کے لیے ایذا کا باعث نہیں؟
بندہ یہ سمجھے گا کہ میں تو نمازی ہوں، میں روزہ دار ہوں، میں نے دین کی بڑی محنت کی ہے، میں بڑا عالم اور عابد وزاہد ہوں۔ جب قیامت میں نامۂ اعمال ملے گا تو معلوم ہوگا کہ اس کی تمام نیکیوں کو بے ادبی اور گستاخی کے گناہوں کے سبب برباد کر دیا گیا ہے۔ اُس وقت ظالم پچھتائے گا مگر اُس وقت کا پچھتانا کسی کام نہ آئے گا۔
اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام نہایت آہستہ آواز میں گفتگو کیا کرتے، انکے لیے دلوں کا تقویٰ، مغفرت اور عظیم ثواب کی خوشخبری سنا دی گئی۔

﴿40﴾

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۴ تا ۱۹)
''بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔ بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔ بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں''۔ (کنز الایمان)
جس نے اپنے عقائد کو شرک کی نجاست سے اور اپنے اعمال کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کیا، اور اپنے رب کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا، وہ فلاح پا گیا۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ کا معنی یہ ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اور اللہ کے شرکاء کو دل سے باہر نکال دے، اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے (وہ کامیاب ہو گیا) اور ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ سے مراد پانچوں نمازوں کی پابندی کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)
حضرت یعقوب چرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان آیات میں منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی منزل توبہ وتزکیہ کی ہے کہ انسان برائیوں سے توبہ کرے اور خود کو پاک کرے۔ اس کی طرف ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ اشارہ کرتا ہے۔
دوسری منزل زبان، دل، روح اور سر سے دائمی ذکر کرنا ہے جس پر رب تعالیٰ کا فرمان ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ دلیل ہے۔ تیسری منزل مشاہدہ کی ہے جس کی طرف ﴿فَصَلّٰى﴾ دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز مومنوں کی معراج ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے، ''نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔ (مظہری)
حق یہی ہے کہ قرآنی نصیحتوں سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب حاضر چاہیے جس میں پلک جھپکنے کے برابر بھی غفلت نہ آئے۔
''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو'' حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم آخرت کو ترجیح دو۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ﴿خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ ایک یہ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور دوسری یہ کہ دنیا فانی ہے جبکہ آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بہتر اور دائمی چیز کو اپنایا جائے۔
دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی عام وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمت نقد اور نگاہوں کے سامنے حاضر ہے جبکہ آخرت کی نعمت اُدھار اور نگاہوں سے غائب ہے۔ حقیقت سے جاہل لوگ نقد کو اُدھار پر اور حاضر کو غائب پر ترجیح دیتے ہیں اور خسارہ پاتے ہیں کیونکہ جس چیز کو نقد سمجھ کر ترجیح دیتے ہیں وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں غائب ضرور ہیں مگر بہتر اور دائمی ہیں۔ یہ فرمانبرداروں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تعلیمات تھیں؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا،
''ان میں عبرت آموز باتیں تھیں جن میں سے چند یہ ہیں۔
تعجب ہے اُس پر جس کو مرنے کا یقین ہے پھر بھی وہ خوشیاں مناتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے جہنم پر یقین ہے پھر بھی وہ ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس پر جسے تقدیر پر یقین ہے پھر بھی وہ دنیا کمانے کے لیے پریشان رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو دنیا اور اس کے نشیب وفراز دیکھتا ہے پھر بھی وہ دنیا کے حصول کو اپنا مقصدِ حیات بناتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے حساب وکتاب پر یقین ہے پھر بھی نیک عمل نہیں کرتا''۔
پھر راوی نے پوچھا، کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس وحی میں آئی؟ فرمایا، ہاں۔ یہ آیتیں پڑھ لو، ﴿قَدْ اَفْلَحَ سے آخر سورت تک﴾۔ (قرطبی)